جنگل کا سینہ چیر جانا ہے۔

یہی اصول تھا جس کے تحت خان لیاقت علی خاں مرحوم کے دور کے اُن انتخابات میں ہم نے حصّہ لیا جن میں سرکاری ملازمین پہلی بار زور و شور سے استعمال ہوئے اور دھن، دھونس اور دھاندلی کے مختلف طریقے استعمال کیے گئے۔ پھر ایوب خاں صاحب کی بنیادی جمہوریت جس کی شدید مخالفت مولانا مودودیؒ اور ان کے متاثرین نے کی، (اور اس دور میں زیادتیاں بھی برداشت کیں) اسی کے تحت ہونے والے انتخابات میں مولانا مودودیؒ کی رضامندی (بلکہ تقاضے سے) بہت سے محبانِ دین و جمہوریت نے پوری طرح حصّہ لیا[1] جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ پھر یحییٰ خان کے مارشل لا کے تحت اور بعد ازاں بھٹو آمریت کے تحت ہونے والے انتخابات میں بھی ہم شریک ہوئے۔ بعد ازاں موجودہ مارشل لا کے تحت بلدیاتی انتخابات میں بھی ہمارے دوست بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور بہت سے کامیاب ہوئے۔

یہ سب کچھ اگر جائز تھا، تو آج جو انتخابات درپیش ہیں، ان میں اگر کوئی کمی بیشی رہنی بھی ہے تو اس کے باوجود ہمیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کس طرح اپنا راستہ بنا کر نقشۂ سیاست میں بہتر تبدیلی کی کوشش کر سکتے ہیں اور غلبۂ دین کے لیے کس حد تک اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

---

(۲)

کوئی بھی اجتماعیت اس حقیقت کو نظر انداز کر کے قائم نہیں کی جا سکتی، چاہے وہ مسجد کمیٹی ہو یا پارلیمنٹ، یا ریاست کہ افرادِ انسانی میں مختلف مسائل و معاملات کے

---

[1] صدارتی الیکشن ہوا تو اس میں بھی ہم نے حصّہ لیا۔

بارے میں اختلاف ضرور ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہر معقول اجتماعیت وہ طریقہ بھی متعین کرتی ہے جس کے تحت تمام اختلافات کسی ایک خط پر آکر ختم ہو جاتے ہیں، یا اگر عقلی حد تک رہیں بھی تو وہ عملی کام میں حائل نہیں ہوتے۔

اسلامی اجتماعیت نے اختلافات کے بارے میں یہ طریقہ وضع کیا ہے۔

اولین معیارِ فیصلہ چونکہ یہاں الکتاب اور الرسول ہے، اس وجہ سے جو امور صراحةً کتاب و سنت کے نصوص سے ثابت ہوں، ان میں کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہیں۔ ایسے معاملات میں صرف آمنا وصدقنا کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ منصوص معاملات و مسائل میں اگر راہیں الگ الگ ہو جائیں اور ہر شخص کی تقسیم حلال و حرام اور تمیز جائز و ناجائز جدا جدا ہو تو کسی اجتماعیت کے قائم رہنے یا چلنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہاں، نصوص کی تعبیرات اور ان کے انطباقات میں نقطۂ ہائے نظر کا فرق ہو سکتا ہے۔ یہ فرق اہلِ علم سلف کے قابلِ احترام و اعتماد مفسرین و محدثین اور فقہا کی تحقیقات کی مدد سے یہ دلائل واضح کر کے نقطۂ اتفاق پیدا کر سکتے ہیں۔ بیشتر معاملات میں اجماع اور قرونِ اولیٰ سے اب تک کا یکساں تعاملِ اُمت فیصلہ کن ہوتا ہے۔ پھر بھی اگر تعبیر و تاویل کے جزئی اختلافات رہیں تو وہ اگلی قسم کے مسائل کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔

اسلامی اجتماعیت کا اصل دائرۂ اختلاف تدابیر و مصالح سے تعلق رکھتا ہے۔ کب کیا بات کہی جائے؟ کیا اقدام مناسب ہوگا؟ کس رویے میں دین کی خیر خواہی اور ملت کی بہبود یا انسانیت کی فلاح ہے؟ کس صورت میں تحریک اسلامی کا چہرہ زیادہ روشن ہو سکتا ہے؟ کس رُخ پر چلنے سے دعوتِ حق کی راہیں کھلتی اور آسان ہوتی ہیں؟ کس چیلنج کا کیا جواب دینا مناسب ہوگا؟ کس شخص یا گروہ کے بارے میں کیا رائے رکھی اور بیان کی جائے؟ اُلجھنوں کے جنگل میں سے کیسے راستہ بنانا مناسب ہوگا؟ کس شکل میں اجتماعیت کی زیادہ قوت مجتمع ہو سکتی ہے اور وحدت کی صف مضبوط ہو سکتی ہے وغیرہ

اختلافی اُمور کی اسی دوسری صنف میں تعبیرِ نصوص یا انطباقاتِ احکام کا ہر وہ معاملہ بھی داخل ہو جائے گا جس کا حل اجماع یا تعاملِ اُمت یا علمائے سلف کی کاوشوں سے نہ ہو سکے۔

اس ذیل کے اختلافی اُمور کے لیے اُصولِ مشاورت مقرر کیا گیا ہے جس کے بعد اور کوئی طریقۂ حلِ اختلافات موجود نہیں ہے۔ یہاں آکر تمام بحثوں کو ختم ہو جانا چاہیے۔

اسلامی مشاورت کے اساسی ضوابط حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ اہم مسائل و معاملات کو اُولی الامر (ارباب مشاورت اور صاحب امر) کے حوالے کرنا چاہیے۔ یعنی پہلے سے اس پر ایسی کھلی بحثیں ہونی چاہئیں کہ مختلف افراد اور گروہوں کے اندر حتمی آراء تشکیل پا جائیں، نہ کسی ایک یا دوسرے نقطۂ نظر پر گروپ یا جتھے بن جانے چاہئیں، بلکہ گفتگوئیں محض مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہوں اور کوئی آدمی کسی خاص رائے کو نہ تو حتمی فیصلے کے طور پر پیش کرے، نہ ایسے فیصلے کے حق میں نجومی CONVESSING کر کے فضا ہموار کرے اور نہ ہم خیالوں کا جتھا بنائے۔

۲۔ جس سطح پر رائے طلب کی جائے، وہاں ہر شخص دیانت داری سے اپنی رائے دے (بلاخوف لومۃ لائم) کیونکہ کسی شخص کے اندر جو رائے بھی مفادِ دین اور مصلحتِ مسلمین اور خیر خواہیٔ انسانیت کے لیے پیدا ہو وہ ایک امانت ہے جو دیانت داری سے ادا کرنی چاہیے۔ اپنی رائے کے حق میں پورے دلائل دیئے جائیں۔ امکانی اعتراضات اور مقابل کے شبہات کے بارے میں وضاحتیں کی جائیں۔ پھر جب آدمی یہ حق ادا کر لے تو وہ اپنی بڑی ذمہ داری سے فارغ ہوا۔ اب یہ کام متعلقہ فرد، افراد یا مجلس کا ہے کہ وہ کشادہ دلی سے غور کریں اور استفادہ کریں۔

۳۔ کسی شخص کو اپنے متعلق عقلِ کل ہونے کا ادعا اور دوسروں کے مقابلے میں ذہنی برتری کا احساس لاحق نہیں ہونا چاہیے کہ بس جو کچھ میں نے کہا ہے اُسے ضرور مانا جانا چاہیے۔ دوسروں کو بھی حسنِ نیت سے آراستہ سمجھنا چاہیے اور تسلیم کرنا چاہیے کہ دوسرے

بھی سوچتے ہیں، دوسروں کے اندر بھی اپنی اپنی آراء ابھرتی ہیں۔ دوسروں کے دلائل بھی قابلِ توجہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں سے بھی استفادہ کیا جانا چاہیے۔

۴:- پھر جب ہر طرف سے آراء سامنے آچکیں تو کسی دینی مشاورتی مجلس کی فضا جو رنگ اختیار کرے اور ساری مجلس یا اس کی واضح اکثریت جب کسی فیصلے پہ پہنچ جائے تو اجتماعی نقطۂ نظر کو اس کشادہ دلی سے قبول کرلینا چاہیے کہ جیسے وہ بھی اپنا ہی فیصلہ ہو۔ ذہن میں اگر کوئی اختلافی رجحان باقی بھی رہے تو اُسے اجتماعیت پر قربان کردینا چاہیے۔ علی الخصوص جب سربراہِ کار کی رائے بھی اکثریتی رجحان کے حق میں دوٹوک طریق سے سامنے آجائے تو پھر سمع و طاعت اور ہم آہنگی کی ذمہ داری اور بھی شدید ہوجاتی ہے۔ اسلامی اُصولِ مشاورت کے تحت کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اجتماعی فیصلہ ہو جانے کے بعد پھر اپنی جداگانہ اختلافی رائے کا جھنڈا بلند کرے بلکہ یہ بھی درست نہیں کہ اس کے الفاظ یا رویے سے کسی طرح کے تکدر اور بددلی کا اظہار ہو۔

یہ ہے طریقہ تفردات کے فتنے سے بچ کر اجتماعیت کو مستحکم رکھنے کا۔ اگر حلِ اختلافات کے لیے ایسی کوئی آخری حد معین نہ کی جائے تو پھر آدمی کی اختلاف پسند فطرت نہ کسی اتحاد کو قائم رہنے دیتی ہے، نہ کسی اجتماعیت کو چلنے دیتی ہے۔

یہی تمام مخلص خادمانِ دین کی روش رہی ہے، یہی اسلامی نظامِ جماعت کے دستور کا تقاضا ہے۔ اور یہی ۴۳ سال سے ہماری اٹل روایت رہی ہے۔

اس اصول و روایت میں خلل ڈالنے کے معنی یہ ہیں کہ ہزاروں افراد کی قربانیوں سے اسلامیت کے قلعے کی جو فصیل اُٹھائی گئی تھی، اس میں دراڑیں ڈال دی جائیں، اور ساتھ اپنی بنی بنائی ساکھ کو برباد کردیا جائے۔ محض اپنی "انا" کے سامنے اتنا قیمتی چڑھاوا پیش کردینا کوئی اچھی بات نہیں۔

یہ محض خودساختہ مصلحتی باتیں نہیں ہیں، بلکہ معاملے کے ہر پہلو پر الگ الگ دلائل

کتاب وسنت میں موجود ہیں - ان سارے دلائل کو جو شاید بیشتر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں، میں یہاں دوہرانا نہیں چاہتا - لیکن اسلامی نظامِ سمع وطاعت کے متعلق متعدد ہم معنی احادیث میں سے صرف ایک کو یہاں نقل کرتا ہوں:

عن جُنادة بن ابی امیہ، قال: دخلنا علی عُبادةِ بن صامت وھُوَ مریضٌ، فقلنا حَدِّثنا اَصلحکَ اللّٰہ بحدیثٍ یَنفَع اللّٰہ بہٖ سَمِعتَہُ مِنْ رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وَسلّم، قال: دعَانَا رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فبایعنا، فکَانَ فِیمَا اَخَذَ علینَا اَن بَایَعنَا علی السمع وَالطاعۃ فی مَنشَطِنَا وَمَکرَھِنَا وَعُسرِنَا وَیُسرِنَا وَاَثَرَۃٍ عَلَینَا، وَلاَ نُنَازِعُ الاَمرَ اَھلَہٗ، قَالَ اِلاَّ اَن تَرَوا کُفرًا بواحًا عِندَکُم مِنَ اللّٰہِ فِیہ بُرھَانٌ (مسلم)

ترجمہ: "روایت جنادہ بن امیہ کی ہے - انہوں نے کہا کہ ہم عبادہ بن صامت کے پاس گئے جو حالتِ مرض میں تھے، پھر ان سے ہم نے کہا کہ اللہ آپ کو شفا دے، ہم سے کوئی حدیث بیان کیجیے - جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور اللہ اسے باعثِ افادہ بنائے - انہوں نے (جواباً) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (بیعت کرنے کے لیے) فرمایا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جو اقرار لیا اور جس پر ہم نے بیعت کی وہ یہ بات تھی کہ ہم سمع وطاعت کے پابند رہیں، پسندیدہ صورتوں میں بھی اور ناپسندیدہ صورتوں میں بھی، آسانی کی حالت میں بھی اور تنگی کی حالت میں بھی ——— اور اس صورت میں بھی کہ ہم دباؤ میں ہوں، اور یہ کہ ہم اختیار کے معاملے میں اہلِ اختیار سے نزاع نہ کریں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اضافہ فرمایا کہ "اِلاَّ یہ کہ تم صریح و نمایاں کفر کے صدور کو دیکھو، جس کے متعلق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔"

اِس حدیث کو پڑھ کر یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ کسی صحیح دینی اجتماعیت کا معاملہ

عام سیاسی پارٹیوں کی طرح کا نہیں ہوتا، جو چیز چاہی مان لی، جس معاملے میں چاہا اختلاف کر کے الگ بیٹھ رہے، دوسروں میں اپنا اختلافی نقطۂ نظر پھیلانا شروع کر دیا، بات کو پریس میں لا کر "المجالس بالامانۃ" کی تعلیم کو پامال کر دیا۔ دینی اجتماعیت کے نظامِ امر اور نظامِ مشاورت اور حدودِ اختلاف کی خلاف ورزی گناہ ہے جس کے سرزد ہونے کے بعد توبہ کے علاوہ کوئی راہ نجات نہیں۔

اس حدیث (اور ایسی متعدد احادیث) کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی فیصلوں اور اربابِ امر کے احکام کی اطاعت خوشگواری اور ناخوشگواری، آسانی اور تنگی کی مختلف حالتوں میں کی جائے گی، بلکہ آدمی جب محسوس کرتا ہو کہ اس کی بہ خلوص رائے اور اس کا محکم استدلال دوسروں کی کثرت رائے یا صاحبِ امر کے نقطۂ نظر کے بوجھ سے دب گیا ہے، تب بھی اُسے اطاعت کرنی چاہیے ___ اور ایسا نہیں ہونے دینا چاہیے کہ اس کے رویّے، اس کے الفاظ، اس کے لہجے یا چہرے کے رنگ سے بھی دیکھنے والوں کو یہ تاثر ہو کہ اس شخص کو اجتماعی فیصلے یا صاحبِ امر کے حکم سے کوئی تکدر ہے۔

دوسری اہم بات اس میں یہ ہے کہ اہلِ امر سے اختیار چھیننے یا اس اختیار کو کمزور کرنے یا اسے کم اثر بنانے کے لیے بحثا بحثی اور شدتِ اختلاف اور اظہارِ رنج اور جتھا بندی کے ذریعے شمہ بھر بھی کوشش نہ کی جائے۔ جو لوگ شریکِ مشورت ہوتے ہیں وہ بھی "امر" سے ایک گونہ تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کی اکثریت کے رجحان کو بے وزن اور ناقابلِ احترام قرار دینا بھی تنازع کی تعریف میں داخل ہے۔ اور سربراہ جو کسی اسلامی نظامِ جماعت کو چلانے کی آخری ذمہ داری رکھتا ہے اور پوری جماعت کے سامنے سب سے بڑھ کر جواب دہ ہوتا ہے۔ وہ جب رفقائے مشورت کی بحثیں سن کر ان کے غالب رجحان کی بنیاد پر ایک فیصلہ دیتا ہے کہ یہ بات یوں طے ہوئی تو اس بات کو نہ ماننا یا زبان سے مان کر عمل سے اس کا حق ادا نہ کرنا، یا مثبت سرگرمی کے بجائے منفی انداز سے ذہنی بردودت کا مظاہرہ کرنا۔ یہ ساری صورتیں تنازع فی الامر کا شائبہ رکھتی ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ حدیث کی رُو سے بگڑ جانے یا تبرّی کرنے یا مختلف رائے سامنے لانے کے لیے صرف ایک ہی جہتی بنیاد ہے، اور وہ یہ کہ کھلے کھلے کفر کا صدور اصحابِ امر یا اربابِ مشورت کی طرف سے ہو، اور کھلے کھلے کفر کا اطلاق محض جذبات کی بنیاد پر نہ کیا جائے۔ بلکہ آدمی کے پاس اللہ کی طرف سے صاف صریح دلیل ہونی چاہیے۔

یہ ہے کسی اسلامی نظامِ جماعت میں طاعت کی آخری حد۔ اگر لوگ اس آخری حد کے آنے سے پہلے ہی ہر اختلاف پر اِدھر اُدھر منہ پھیر لیں تو نتیجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ ایک تیز رَو ندی جو چٹانوں کو ریلتی جاتی ہو، کئی دھاروں میں تقسیم ہو جائے اور چھوٹے چھوٹے دھارے اس قابل بھی نہ ہوں کہ راستے میں جمع ہو جانے والے انبارِ خس و خاشاک کو بہا لے جا سکیں۔ وہی ندی جسے عبور کرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ اب اس کے چھوٹے چھوٹے دھاروں اور باریک باریک نالیوں کو بچے بھی الانگنے لگیں گے۔ اختلاف جب اپنی حدود کا پابند نہ رہے تو پھر اجتماعیت کا قائم رہنا ممکن نہیں رہتا۔ سمع و طاعت کے دینی اُصولوں اور دیرینہ عملی روایات کو اگر توڑا جانے لگے تو پھر کسی فرد کی بھی سربراہی اور کسی مجلس کی مشاورت کی قوت کام نہ کر سکے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم شریعت کے نظامِ سمع و طاعت، اس کے ضابطۂ مشاورت اور اہلِ امر کے حقوق کو اچھی طرح سمجھیں اور ان کو قدم قدم پر ملحوظ رکھیں۔